۶ بغداد کا سفر

سجاد حیدر یلدرم

پہلی بات : سفرنامہ ایک بیانیہ نثری صنف ہے۔اس کے لیے کوئی خاص اُصول یا تکنیک متعین نہیں ہے مگر اس کا طرزِ بیان ایسا ہونا چاہیے کہ پڑھنے والے کی دلچسپی برقرار رہے۔بعض سفرنامے منظوم بھی لکھے گئے ہیں۔سفرناموں میں سفر کی روداد بیان کی جاتی ہے۔سیاح اپنے سفر کے دوران جن مقامات کی سیر کرتا ہے، وہاں اسے جو تجربات اور مشاہدات حاصل ہوتے ہیں، ان کی تفصیل وہ سفرنامے میں پیش کر دیتا ہے۔اس تفصیل میں جغرافیائی محلِ وقوع، تاریخی مقامات، تہذیب و تمدن، رسم و رواج، سماجی حالات، موسم اور مناظر، سیاسی صورتِ حال، ادبی و ثقافتی سرگرمیاں وغیرہ جیسے بہت سے موضوعات شامل ہوتے ہیں۔ہر سفرنامے کی اپنی مخصوص فضا ہوتی ہے۔سفرنامہ لکھنے والا اکثر و بیشتر اپنے سفرنامے کو دلچسپ بنانے کے لیے رنگین بیانی، افسانہ طرازی اور مبالغہ آرائی سے بھی کام لیتا ہے۔

جان پہچان : سجاد حیدر یلدرم ۱۸۸۰ء میں نہٹور، ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ان کا اصل نام سیّد علی سجاد حیدر تھا۔علی گڑھ سے بی۔اے کرنے کے بعد وہ ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ پھر ۱۹۳۰ء میں جزائر انڈمان کے ریونیو کمشنر مقرر ہوئے۔'خیالستان' اور 'جمالستان' ان کے افسانوں کے مجموعے ہیں۔ان کے مضامین اور افسانوں پر رومانیت کے اثرات حاوی ہیں۔اُنھوں نے ترکی ناولوں اور ڈراموں کے ترجمے بھی کیے۔وہ ہر شے میں حسن کو تلاش کرتے ہیں۔انھیں ادبِ لطیف کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کا انتقال ۱۲/اپریل ۱۹۴۳ء کو لکھنؤ میں ہوا۔

اُردو میں سفرنامے کا آغاز اُنیسویں صدی کے نصف میں ہوا۔ یوسف خاں کمبل پوش کا سفرنامہ 'عجائباتِ فرنگ' اُردو کا پہلا سفرنامہ ہے جو ۱۸۴۷ء میں لکھا گیا تھا۔اُنیسویں صدی کے اہم سفرناموں میں سرسیّد احمد خاں کا 'مسافرانِ لندن'، محمد حسین آزاد کا 'سیرِ ایران'، شبلی نعمانی کا 'سفرنامۂ روم و مصر و شام' قابلِ ذکر ہیں۔بیسویں صدی میں جب آمد و رفت کے وسائل میں اضافہ ہوا اور ہوائی سفر آسان ہو گیا تو سفرنامے بھی خوب لکھے جانے لگے۔اُردو میں حج کے سفرنامے بھی خاصی تعداد میں لکھے گئے ہیں۔بعض سفرنامے مزاحیہ انداز میں بھی لکھے گئے ہیں۔

میں یہ نہ بتاؤں گا کہ میں کب اور کیوں اور کہاں سے روانہ ہوا کیونکہ میرے دوست ان تمام باتوں سے واقف ہیں اور جو مجھے نہیں جانتے انھیں بتانے کی ضرورت نہیں۔صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ بغداد شریف جا رہا ہوں۔

۲۶/مارچ ۱۹۰۴ء کو اپنے پیارے دوستوں سے کچھ ارمان بھرے اور زیادہ تر حرمان بھرے دل کے ساتھ جدا ہوا اور آخر کار ۳/اپریل کو جہاز 'کولا' پر کراچی سے روانہ ہو گیا۔موسم نہایت خوش گوار تھا اور سمندر کی جبیں پر ذرا بھی بل نہ تھا، اور اگرچہ یہ میرا پہلا سمندر کا سفر تھا لیکن میں نہیں جانتا کہ سرگرانی اور طبیعت کا متلانا کسے کہتے ہیں۔اور اگر سفر بحر ایسا ہی ہمیشہ ہوتا ہے تو میں عمر بھر سفر کرنے کو تیار ہوں۔لیکن لوگ کہتے ہیں مئی، جون میں خلیج فارس کا مزاج برہم ہوتا ہے اور اس وقت وہ کسی کی نہیں سنتا۔

۵/اپریل کو دو بجے سہ پہر کے قریب مسقط پہنچے۔مسقط کے بعد بوشہر تک سمندر ذرا خراب تھا مگر میری طبیعت پھر بھی خراب نہیں ہوئی۔۸/اپریل کو آٹھ بجے صبح بوشہر پہنچے۔یہاں اُترنے کی اجازت نہیں، دوربین ہی سے شہر کو دیکھا اور کچھ اچھا نہ پایا۔(سنا ہے بوشہر کے انگور کھٹے ہوتے ہیں)

۹/اپریل سات بجے صبح: سبحان اللہ، سبحان اللہ! ہم کس خطّے میں جا رہے ہیں، رات ہی بھر میں یہ کیا طلسم ہو گیا! جہاز کی دونوں جانب کیسا دلکش منظر ہے۔دو طرفہ خرمے کے درختوں کی مسلسل قطاریں ہیں اور ان کے پیچھے اور نیچے گلاب اور نارنگی اور انار کے درخت ہیں، جو پھلوں سے لدے ہوئے ہیں اور جہاں تک نگاہ دوربین کے ذریعے سے کام کرتی ہے، یہ مارے خوشی کے پاگل کر دینے والا منظر

سامنے ہے۔ اور میں حقیقت میں تھوڑی دیر کے لیے پاگل ہوگیا تھا۔ جہاز پر دوڑا دوڑا پھرتا ہوں، کبھی اس طرف کے منظر کو دیکھتا ہوں کبھی اُس طرف کے۔ معلوم ہوا کہ ہمارا سفینہ سمندر چھوڑ کے دجلہ اور فرات کے مجموعۂ پانی کے سینے پر چل رہا ہے اور ایک طرف ساحل ترکی ہے اور دوسری طرف ایرانی۔

یہاں اس دریا کے کنارے سوائے گھنے، اونچے اور سرسبز درختوں اور پھولوں کے آپ اور کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ اوپر آسمان ہے، نیچے پانی ہے اور دائیں بائیں نظر کو یہ درخت روک رہے ہیں اور یہ سلسلہ میں سنتا ہوں کہ یہاں سے بغداد تک یعنی چار سو میل تک قائم ہے۔ شاید لوگ خرمے کے درختوں کی اس قدر تعریف سن کر زیرِ لب مسکرائیں گے؛ مگر یہ خیال رہے کہ یہ سوڈان کے خرمے کے درخت نہیں ہیں کہ چار پانچ ایک جگہ کھڑے ہیں اور ارد گرد سیکڑوں میل تک ریت کا چٹیل میدان ہے۔ یہ عراقین کے نخلستان اور خُرمستان ہیں جن کے سایے میں ہر قسم کے پھول اور پھل لگے ہوئے ہیں اور دماغ کو معطر کر رہے ہیں۔

دو بجے محمرّہ پہنچے۔ یہ ایک چھوٹا سا مقام ہے، یہاں ایرانی سرحد ختم ہوتی ہے اور یہاں سے دو طرفہ ساحل ترکی ہے۔

محمرّہ سے بصرہ کوئی تیس پینتیس میل کے فاصلے پر ہے اور ذرا آگے بڑھتے ہی بصرہ کے مضافات شروع ہوجاتے ہیں۔ دریا کے کنارے درختوں کے جھنڈ وہی ہیں، پھول وہی ہیں، مگر اب ان میں امرائے بصرہ کے مکانات شروع ہوجاتے ہیں اور ان قدرتی بے جان پھولوں میں انسانی زندہ پھول اور غنچے نظر آنے لگتے ہیں یعنی حسین اور نہایت حسین یہودی، ارمینین اور خال خال ترک۔ عورتیں، لڑکے اور لڑکیاں دوڑ دوڑ کے لبِ دریا ہمارے جہاز کو دیکھنے آتی ہیں اور ہم دوڑ دوڑ کے ڈیک کے کنارے ان کو دیکھنے جاتے ہیں۔ کاش یہ سلسلہ لامتناہی ہوتا، مگر وہ تو ایک دو گھنٹے ہی میں جہاز بصرہ پہنچ گیا۔

یہاں قوموں میں بہت مخالطہ ہوتا ہے۔ مسلمان، عیسائی اور یہودی عبا اور قبا بھی پہنتے ہیں اور بہت سے کوٹ پتلون پہنتے ہیں، ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں اور تو اور ناموں سے بھی پتا نہیں چلتا کہ کون مسلم ہے اور کون غیر مسلم۔ میرے ساتھی ارمنی جو تھے، ان کے نام تھے نصر اللہ مسیح اور شکر اللہ صبّاغ۔

یہاں ایک اور بات عجیب دیکھی۔ ہمارے یہاں تو انگریز عموماً اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ہندوستانی انگریزی کپڑے پہنیں، اور خاص کر یہ کہ انگریزی ٹوپی اوڑھیں۔ یہاں ترک اس بات کے خواہش مند ہیں کہ سب ان کی ٹوپی اوڑھیں۔ چنانچہ یہ دونوں ارمنی ساتھی انگریزی ٹوپی پہنتے تھے۔ بصرہ پہنچتے ہی ترکی ٹوپی پہننے لگے۔ میں نے پوچھا تو کہا، ہم ترکی رعایا ہیں، لہٰذا یہاں ہمیں ترکی ٹوپی پہننا ضروری ہے۔ یہودی عموماً عبا و قبا پہنتے ہیں اور عرب تو بالکل یہی۔ ترک سب یورپین لباس پہنتے ہیں اور اپنے تئیں یورپین سمجھتے ہیں یعنی عربوں، یہودیوں اور ارمنیوں سے بالاتر۔

سہ پہر کو جہاز بصرہ سے روانہ ہوگیا۔ چوتھے روز ہم بغداد پہنچے۔

بغداد کے مکان سب کچے اور شاندار ہیں۔ دجلہ کے دونوں کنارے قصر بہت خوبصورت اور نئی وضع کے ہیں۔ سڑک سے مکانوں میں داخل ہوئیے تو تعجب ہوتا ہے کہ مکانوں میں کیسی صفائی رکھی جاتی ہے۔ یہاں عام طور پر لوگ ضروریاتِ زندگی پر زیادہ خرچ کرتے ہیں۔

گورنمنٹ ہاؤس یعنی وہ عمارت جس میں تمام کچہریاں اور دفاتر ہیں اور جسے یہاں سرائے حکومت کہتے ہیں، بڑی شاندار اور دفاتر ہندوستان کے دفتروں کے بلکہ ان سے بہتر سجے ہوئے ہیں۔

مدینۃ العلم والفضل بغداد اپنی تمام فضیلت کھو بیٹھا ہے۔ مدرسہ نظامیہ کے شہر میں آج ایرانی یا نئی تعلیم کا کوئی ایسا مدرسہ نہیں ہے

جسے کالج کے لقب سے یاد کیا جائے۔ ہاں دس بارہ اسکول ہیں جن میں زیادہ تر یہود و نصاریٰ کے یا امریکن مشن، پروٹسٹنٹ مشن، فرنچ کیتھولک مشن کے ہیں۔ یہ اسکول ہندوستان کے مشنری اسکولوں کی طرح بہت منظّم اور عمدہ حالت میں ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے کوئی اسکول نہیں۔ صرف حکومت کی طرف سے چند اسکول ہیں مثلاً مکتب ابتدائیہ، مکتب رُشدیہ، مکتب اعدادیہ، مکتب صنائع۔ مگر اہلِ شہر عرب مسلمان ان میں بھی کم پڑھتے ہیں، ترک ہی زیادہ تر ان مدرسوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہاں تعلیمِ نسواں کے معنی صرف مضامین متعلقِ تعلیمِ نسواں لکھنا نہیں ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے تو بہت سے مدارسِ نسواں ہیں۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہیں؛ مسلمانوں کے لیے بھی ایک مکتبِ نسواں ہے جو ہائی اسکول کے درجے تک ہے اور اس میں ترکی اور بعض عربی خانمیں پڑھتی ہیں۔ خانموں کے ذکر میں پردے کا ذکر بھی بے موقع نہ ہوگا۔ یہاں تمام مسلمان عورتیں؛ ادنیٰ اور اعلیٰ درجے کی برقعہ اوڑھ کر خود بازار جاتی ہیں اور خرید و فروخت کرتی ہیں۔ ترکی خانموں کا پردہ بالکل برائے نام ہوتا ہے۔ ان کے چہرے صاف نظر آتے ہیں۔ لباس ترکنوں کا بالکل انگریزی ہے لیکن عربنوں کا عربی ہوتا ہے۔

اللہ اللہ! بغداد کی خاک میں کیسے کیسے بزرگ سوتے ہیں۔ ان کے مزاروں کی زیارت میں نے کی۔ مگر دار الخلافہ بغداد کے شاہی محل کہاں ہیں؟ وہ کتب خانہ، وہ مدرسے، وہ رصدگاہیں کدھر ہیں؟ مدرسۂ نظامیہ کس جگہ ہے؟ قصرِ خلد کس طرف ہے؟ آہ! یہ سوالات ہلاکو خاں سے کرو۔ ہم کیا جواب دیں۔ شمس العلما مولانا حالی دہلی کے سیّاح سے کہتے ہیں ؎

لے کے داغ آئے گا سینے پہ بہت اے سیّاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

لیکن یہاں اس نصیحت کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں کھنڈر تک نہیں رہے۔ ولایت بغداد کے سرکاری سالنامے میں مؤلف تاریخی عمارات کے ذکر میں فرماتے ہیں:

"جہاں آج کل دفتر نظارتِ رسومات ہے، وہاں مدرسۂ نظامیہ تھا۔"

ہارون اور مامون کی تمام کوششوں کا یہ نتیجہ ہے! ہاں، ایک زبیدہ کا مقبرہ تو شکستہ حالت میں باقی ہے، جہاں عرب راہزن رات کو جمع ہوکر مالِ غنیمت آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ بابل جو ہزاروں برس پہلے تباہ ہوا، اس کے کھنڈر تو باقی ہوں اور نہ باقی ہوں تو عباسیوں کے جاہ و جلال کے نشان! مگر بابل کو ہلاکو نے تھوڑا ہی تاراج کیا تھا۔

کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ جو قوم بغداد کو تباہ کرے، اسی کی ایک شاخ جامع

ہارون رشید

ساتویں عباسی خلیفہ (۷۶۳ء تا ۸۰۹ء) ان کے والد کا نام مہدی اور والدہ کا نام خیزران تھا۔ ہارون علوم و فنون کے قدردان تھے۔ ان کے دربار میں بڑے بڑے عالم و فاضل جمع ہوگئے تھے۔ ان میں حضرات امام مالک، امام شافعی، امام محمد اور امام یوسف بھی شامل تھے۔ ان کے عہد میں بغداد کے اطراف میں بغاوتیں ہوئیں جنھیں انھوں نے بڑی بہادری سے فرو کیا۔ رومی سلطنت کو بھی انھوں نے شکست دی اور چین، ہندوستان اور یورپ کے بعض ملکوں سے تعلقات قائم کیے۔ علوم و فنون کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کروائے۔ بغداد ان کے زمانے میں بڑے بڑے مدرسوں کا شہر بن گیا تھا۔ ایران کے شہر طوس میں ہارون رشید کا انتقال ہوا۔

مامون رشید

آٹھویں عباسی خلیفہ (۷۸۶ء تا ۸۲۳ء) جن کا دورِ حکومت عباسی حکومت کا سنہرا دور کہلاتا ہے۔ ان کا دار الحکومت مرو (ترکستان) میں تھا۔ جب اطراف کی حکومتوں نے سر اُٹھایا تو ان کی سرکوبی کے لیے انھوں نے دار الحکومت دوبارہ بغداد میں قائم کرلیا۔ مامون رشید علوم و فنون کے دلدادہ تھے۔ ان کا عہد علمی ترقّیوں کا عہد تھا۔ انھوں نے بغداد میں فلکیاتی مشاہدے اور تجربات کے لیے دو رصدگاہیں تعمیر کروائی تھیں۔ ایک اعلیٰ درجے کا کتب خانہ بھی قائم کیا تھا جس میں دنیا بھر کے علوم کی کتابیں موجود تھیں۔ انھوں نے عبرانی، سنسکرت، یونانی اور فارسی زبانوں کی کئی کتابوں کا ترجمہ کروایا۔

ملکہ زبیدہ

جعفر بن منصور کی بیٹی تھیں۔ وہ ۷۶۲ء میں پیدا ہوئیں۔ ۷۸۱ء میں ان کا نکاح خلیفہ ہارون رشید سے ہوا۔ ان کا اصل نام اَمَۃ العزیز تھا لیکن ان کے حسن و جمال اور چہرے کے نکھار کے باعث دادا نے ان کا نام زبیدہ رکھا۔ اپنے نامور شوہر کی طرح وہ بھی مشہور تھیں۔ انھوں نے حاجیوں کے لیے پانی کا انتظام کرنے کے لیے ایک نہر تعمیر کروائی تھی جس کے آثار آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ نہر 'نہر زبیدہ' کے نام سے مشہور ہے۔ زبیدہ نہایت متقی اور مخیّر خاتون تھیں۔ انھوں نے علما، فضلا اور شعرا کی سرپرستی کی اور سخاوت میں بڑا نام پیدا کیا۔ ۸۳۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔

ہلاکو خان

ہلاکو ایران کے ایلخانی خاندان کا بانی اور منگول سردار چنگیز خان کا پوتا تھا۔ اس کے باپ کا نام تولی خان تھا۔ ہلاکو نے اسماعیلی حکومت کے قلعے الموت پر حملہ کر کے بغداد کو تاراج کر دیا۔ لاکھوں افراد قتل کر دیے گئے۔ سارے مدرسے اور کتب خانے ہلاکو کے حکم سے جلا دیے گئے۔ سب کتابیں دریا میں بہا دی گئیں۔ اس نے مصر پر بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کا مقابلہ برقائی خان سے ہوا جو مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے ہلاکو کو زبردست شکست دی۔ ۱۲۶۴ء میں اس کا انتقال ہوا۔

مسجد و قلعہ (دہلی)، تاج محل (آگرہ) جیسی عمارتیں ہندوستان جا کر بنائے۔ کیا یہ مغلوں کی طرف سے تباہیِ بغداد کا نادانستہ کفارہ تھا؟

بہرحال، اے بدبخت دہلی و آگرہ! تم پھر بھی خوش نصیب ہو کہ تمھاری بہت سی عمارتیں قائم ہیں؛ اور تمھارے کھنڈر ابھی غائب نہیں ہوئے مگر اے بغداد.....!

معانی و اشارات

حرماں – غم، دکھ، مایوسی

جبیں پر بل نہ ہونا – مزاج خراب نہ ہونا

سرگرانی – دردِ سر

مجموعۂ پانی – ملا جلا پانی

عراقین – دو عراق (شمالی/جنوبی)

خُرمستان – کھجوروں کا باغ

لامتناہی – کبھی نہ ختم ہونے والا

مخالطہ – میل جول

صبّاغ – رنگ ریز

کفّارہ – قصور کا بدلہ دینا

رصدگاہ – آسمان کے مشاہدے کی تجربہ گاہ

خانم – خان کا مؤنث

ترکن – ترک عورت

عربن – عربی عورت

ولایت – مراد انگلستان

6QP79D

مشق

* فرق بتائیے یا موازنہ کیجیے۔

سوڈان کے خرمے کے درخت

اور

عراقین کے نخلستان اور خرمستان

* مصنف نے بصرہ کے لوگوں کو 'زندہ انسانی پھول' کہا ہے۔ وجہ بتائیے۔
* بصرہ میں قوموں کے مخالطے پر اپنی رائے دیجیے۔
* 'مدینۃ العلم والفضل بغداد اپنی تمام فضیلت کھو بیٹھا ہے۔' اس تعلق سے دس سطروں میں اپنی رائے کا اظہار کیجیے۔
* بغداد میں عرب مسلمان عورتوں اور ترک عورتوں کی طرزِ رہائش کا موازنہ کیجیے یا فرق بتائیے۔
* بغداد میں عرب مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو اپنے الفاظ میں لکھیے۔
* بغداد کے کھنڈرات اور ہندوستان کے کھنڈرات سے متعلق مصنف کے خیالات اپنے الفاظ میں لکھیے۔
* سبق کی روشنی میں ان جملوں کی وضاحت کیجیے:

۱۔ سمندر کی جبیں پر ذرا بھی بل نہ تھا۔

۲۔ مئی، جون میں خلیج فارس کا مزاج برہم ہوتا ہے۔

* محاوروں/لفظوں کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

طلسم ہونا ، تاراج ہونا ، مزاج برہم ہونا ، دوڑا دوڑا پھرنا ، لامتناہی سلسلہ

* قوسین سے صحیح نام چن کر ستون 'الف' کے سامنے لکھیے۔

(سرسیّد احمد خان، یوسف خان کمبل پوش، شبلی نعمانی، محمد حسین آزاد)

	الف	ب
۱۔	عجائباتِ فرنگ	.....
۲۔	مسافرانِ لندن	.....
۳۔	سفرنامۂ روم ومصروشام	.....
۴۔	سیرِ ایران	.....

* "سنا ہے بوشہر کے انگور کھٹے ہوتے ہیں۔" مصنف کے اس بیان پر اپنی رائے دیجیے۔
* ہندوستان میں قوموں کے مخالطے کی مثالیں دیجیے۔
* ترک اپنے تئیں یوروپین سمجھتے ہیں۔
* نقشے پر مصنف کے سفر کے راستے کی نشان دہی کیجیے۔
* ہندوستان کے تاریخی مقامات کی تصویریں جمع کر کے چند سطروں میں ان کا تعارف لکھیے۔
* انٹرنیٹ کی مدد سے عراق، بصرہ، سوڈان کے بارے میں معلومات حاصل کیجیے۔

بابِل

اس لفظ کے معنی ہیں خدا کا شہر یا خدا کے شہر کا دروازہ۔ بابل دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے علاقے میں آباد ایک قدیم اور مشہور عراقی شہر تھا۔ برصغیر سے واپسی کے بعد سکندر اعظم اسی شہر میں فوت ہوا تھا۔ یہاں سامی اور آشوری قومیں آباد تھیں جنھوں نے دو ہزار قبل مسیح سے بھی پہلے علوم وفنون، تجارت اور حکومت میں بہت ترقی کر لی تھی۔ سپتا کریب اور ہمورابی نامی بادشاہوں نے اس شہر کو خوب ترقی دی، اسے باغوں اور عمارتوں سے سجا دیا۔ بابل کے جھولتے ہوئے باغات قدیم عجائب میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ہمورابی نے دنیا کو پہلی بار سماجی اور سیاسی قوانین کا پابند کیا۔ بابل کے لوگ ستارہ پرست تھے۔ انھوں نے لکھنے کا طریقہ ایجاد کیا اور پہلی بار دنیا کو حروفِ تہجّی سے آشنا کیا۔ یہ حروف مٹّی کی تختیوں پر کیلوں سے لکھے جاتے تھے۔ اسے میخی تحریر کہتے ہیں۔

* دیے ہوئے خانوں میں مناسب معلومات لکھیے۔

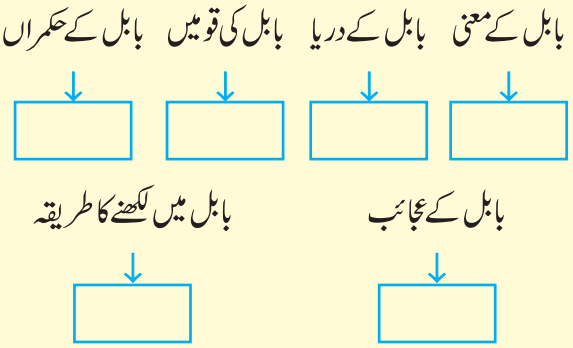

بغداد

موجودہ عراق کا دار الحکومت جو دجلہ کے کنارے اور دریائے فرات سے ۲۵ میل شمال کی طرف واقع ہے۔ ۷۶۲ء میں منصور عباسی نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ دیکھتے دیکھتے یہ بڑا تجارتی مرکز بن گیا اور ہارون رشید کے عہد میں اوجِ کمال کو پہنچا۔ الف لیلہ کی داستانوں میں اس کی عظمت کا عکس نظر آتا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں یہ عراق کا دار الحکومت بنا۔ بغداد درآمد و برآمد کا بڑا مرکز اور ریلوں اور طیاروں کا مستقر ہے۔ یہاں بڑی بڑی صنعتیں قائم کی گئی ہیں جن میں تیل کی صنعت سب سے نمایاں ہے۔ دیگر صنعتوں میں بجلی، آب رسانی، اینٹ، سیمنٹ اور کپڑے کی صنعتیں شامل ہیں۔ اس شہر کے بیچوں بیچ دریائے دجلہ بہتا ہے۔ سوق العطاطیر میں عطر کی دکانیں ہیں۔ یہاں بڑی بڑی مساجد بھی ہیں۔ حضرت سیّد عبد القادر جیلانیؒ، امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام کاظمؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، بہلول دانا، ملکہ زبیدہ اور امام یوسفؒ جیسے اکابرین کے مزارات یہاں واقع ہیں۔

انٹرنیٹ کی دنیا سے
www.hamariweb.com